# شروع اللہ کے نام سے

جب مجھ سے فرمائش کی گئی کہ میں ,,جنگ،، کے لئے باقاعدہ لکھا کروں تو میرے ذہن میں بہت سے معاشرتی مسائل کی ایک فہرست آ گئی جن سے ناواقفیت یا غفلت کی بنا پر ہم نے دنیا اور آخرت دونوں میں اپنے لئے بے شمار مشکلات پیدا کر رکھی ہیں۔ خیال ہوا کہ ہمارے ملک میں تحریری سطح پر ,,جنگ،، ہی ایک ایسا اسٹیج ہے جہاں سے کوئی آواز دُور دُور تک پہنچائی جاسکتی ہے اور ان مسائل کی طرف متوجہ کرنے کا اس سے بہتر کوئی اور راستہ نہیں۔ اس لئے اللہ تعالی کے نام پر میں فی الحال انہی معاشرتی مسائل پر لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔ لیکن چونکہ ہمیں ہر کام کا آغاز ,,بسم اللہ،، سے کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، اس لئے اس سلسلے کو بھی میں تبرکاً ,,بسم اللہ،، ہی سے شروع کرتے ہوئے آج کی پہلی صحبت میں کچھ گذارشات ,,بسم اللہ،، ہی کے بارے میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

آنحضرت ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ: ,,ہر وہ اہم کام جو اللہ کے نام سے شروع نہ کیا جائے، ادھورا ہے،، چنانچہ آپ ﷺ نے ہر اہم کام کو ,,بسم اللہ الرحمٰن الرحیم،، سے شروع کرنے کی تاکید فرمائی ہے، یہاں تک کہ کھانا کھاتے وقت، پانی پیتے وقت، سواری پر سوار ہوتے وقت، کوئی خط یا تحریر لکھتے وقت، غرض ہر قابلِ ذکر مشغلے کے شروع میں آپ ﷺ ,,بسم اللہ الرحمٰن الرحیم،، پڑھا کرتے تھے۔

بظاہر یہ ایک مختصر سا عمل ہے جسے بعض اوقات ایک رسمی کارروائی سمجھ کر نظر

انداز کر دیا جاتا ہے، لیکن در حقیقت یہ کوئی رسم نہیں، بلکہ اس سے ایک بہت بنیادی فکر کی آبیاری مقصود ہے، یہ ایک ایسی اہم حقیقت کا اعتراف ہے جس کو پیش نظر رکھنے سے زندگی کے تمام مسائل کے بارے میں انسان کا پورا نقطہ نظر اور معاملات طے کرنے کے لئے اسکی پوری Approach ہی بدل جاتی ہے، یہ اس بات کا اعلان ہے کہ اس کائنات کا کوئی ذرّہ اللہ تعالی کے حکم اور اسکی مشیّت کے بغیر حرکت نہیں کر سکتا، انسان کو اپنی عملی زندگی میں اسباب کو اختیار کرنے کا حکم ضرور دیا گیا ہے، لیکن نہ تو یہ اسباب خود بخود وجود میں آگئے ہیں، اور نہ ان اسباب میں بذاتِ خود کوئی کارنامہ انجام دینے کی طاقت موجود ہے، حقیقت میں ان اسباب کو پیدا کرنے والا اور ان میں تاثیر پیدا کر کے ان کے نتیجے میں واقعات کو وجود میں لانے والا کوئی اور ہے۔

اس کی ایک سادہ سی مثال یہ ہے کہ ہم جب پانی پینا چاہتے ہیں تو بسا اوقات غفلت اور بے دھیانی کے عالم میں پی کر فارغ ہو جاتے ہیں، ایک ظاہر بین انسان زیادہ سے زیادہ اتنا سوچ لیتا ہے کہ اسے یہ پانی کس کنویں، کس دریا، کس جھیل یا نہر سے حاصل ہوا، لیکن اس کنویں یا دریا اور جھیل تک پانی کیسے پہنچا؟ اور انسان کی پیاس بجھانے کے لئے اللہ تعالی کی قدرتِ کاملہ نے کائنات کی کتنی قوتیں اسکی خدمت میں لگا رکھی ہیں؟ اور اس کے لئے کیسا عجیب و غریب نظام بنایا ہوا ہے؟ اس کا دھیان بہت کم لوگوں کو آتا ہے۔

اللہ تعالی نے پانی کا عظیم الشان ذخیرہ سمندروں کی شکل میں محفوظ فرمایا ہے، اور اسے سڑنے سے بچانے کے لئے اوّل تو اسے نمکین بنا دیا ہے، اور دوسری طرف اسے ہر دم اس طرح رواں دواں کر دیا ہے کہ اسکی موجیں حرکت اور بیتابی کی علامت بن گئی ہیں، اور باوجودیکہ اس میں روزانہ ہزارہا جانور مرتے ہیں، لیکن یہ پانی کبھی سڑتا نہیں، لیکن انسان کے لئے پانی کے اس عظیم الشان ذخیرے سے براہِ راست فائدہ اٹھانا ممکن نہیں تھا، اس لئے کہ اول تو اس پانی کی کڑواہٹ ایسی ہے کہ اسے انسان پی نہیں سکتا، دوسرے

اس پانی کا حصول صرف آس پاس بسنے والوں کے لئے ہی ممکن ہے، دور رہنے والے اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

اس کے لئے اللہ تعالی نے ایک طرف سمندر سے مون سون اٹھا کر اس میں ایک ایسا خود کار پلانٹ نصب کر دیا ہے جس کے ذریعے سمندر کے کڑوے پانی کو میٹھا کرنے کا حیرت انگیز نظام کسی انسانی محنت یا مالی خرچ کے بغیر مسلسل جاری ہے، دوسری طرف اس مون سون کو بادلوں کی شکل دے کر ایک مفت ائیر کارگو سروس فراہم کر دی گئی ہے جس کے ذریعے یہ سیال پانی ہوا میں تیرتا اور سینکڑوں بلکہ ہزاروں میل کی مسافت طے کرتا ہے، اور اسکی فضائی پرواز نے دنیا کے ہر خطے کو سمندر کا پانی میٹھا کر کے سپلائی کرنے کی ذمہ داری لے رکھی ہے۔

لیکن نہ تو انسان یہ برداشت کر سکتا تھا کہ اس پر ہر وقت بادل چھائے رہیں، اور بارش برستی رہے، اور نہ اس میں یہ طاقت تھی کہ وہ سال بھر یا چھ مہینے کا پانی ایک ساتھ اکٹھا کر کے رکھ سکے، لہذا اللہ تعالی کی قدرت و حکمت نے یہ انتظام فرمایا کہ بادلوں کا یہ پانی پہاڑوں پر برسا کر اس کے منجمد ذخیرے برف کی شکل میں محفوظ فرما دیئے، پانی کا یہ دلفریب کولڈ اسٹوریج پہاڑوں کی چوٹیوں پر دلآویز نظارے تو فراہم کرتا ہی ہے، لیکن اس کا اصل کام ہماری پیاس بجھانے کا انتظام ہے۔

پھر انسان کو یہ تکلیف بھی نہیں دی گئی کہ وہ اس برفستان میں خود جا کر اپنی ضرورت پوری کرے، بلکہ اسے سورج کی گرمی سے پگھلا کر دریا اور پہاڑی نالے بنا دیئے گئے، اور اس کے علاوہ پانی کے سوتوں کے ذریعے زمین کے کونے کونے میں ایسی پائپ لائن بچھا دی گئی ہے کہ انسان جہاں سے زمین کھودے وہیں سے پانی برآمد ہو جاتا ہے۔

سمندر سے پانی اٹھا کر اسے پہاڑوں پر محفوظ کرنے اور پھر زمین دوز پائپ لائن کے ذریعے دنیا کے چپے چپے تک اسے پہنچانے کے اس عظیم الشان سلسلے میں کہیں بھی انسانی

عمل یا اسکی فکر و کاوش اور منصوبہ بندی کا کوئی دخل نہیں ہے، انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ ان بہتے ہوئے دریاؤں یا زمین میں پوشیدہ سوتوں سے اپنی ضرورت کے مطابق پانی حاصل کرلے، اگرچہ یہ کام پانی کی سپلائی کے مذکورہ بالا قدرتی اور آفاقی نظام کے مقابلے میں نہایت محدود اور مختصر کام ہے، لیکن اس محدود سے کام کی انجام دہی میں بھی انسان بڑی مشقت اٹھاتا، بہت روپیہ خرچ کرتا اور کائنات کے دوسرے وسائل سے کام لیتا ہے۔

پانی کا ہر وہ گھونٹ جو ہم ایک لمحہ میں اپنے حلق سے اتار لیتے ہیں، آب رسانی کے اس سارے طویل عمل سے گذر کر ہم تک پہنچتا ہے جس میں سمندر، بادل، پہاڑ، آفتاب، ہوائیں، ندی نالے، زمین اور اس میں پوشیدہ خزانے، اس پر چلتے ہوئے جانور، اور بالآخر انسان اور اس کے بنائے ہوئے آلات، سب اپنا اپنا کردار ادا کرچکے ہوتے ہیں۔

جب آنحضرت ﷺ نے یہ تعلیم دی کہ پانی پینے سے پہلے „بسم اللہ،، کہو، یعنی اللہ کا نام لیکر پینا شروع کرو، تو درحقیقت اس کا مقصد یہی ہے کہ پانی کی اس نعمت کے استعمال سے پہلے اللہ تعالی کے اس احسان عظیم کو یاد کرو جس نے تمہارے ہونٹوں تک پانی کے یہ گھونٹ پہنچانے کے لئے کائنات کی کتنی قوتوں کو تمہاری خدمت میں لگادیا ہے، اس پانی کے حصول کے لئے تم نے چند ظاہری اسباب ضرور اپنے عمل اور اپنی محنت سے اختیار کئے ہیں، لیکن ان ظاہری اسباب کی رسائی ایک خاص حد سے آگے نہیں، اس حد کے پیچھے اللہ تعالی کی ربوبیت کا وہ محیّر العقول نظام کام کر رہا ہے جو انسان کے عمل ہی نہیں، اس کی سوچ اور تصور کی پرواز سے بھی ماورا ہے۔

پھر ایک عام آدمی کو اس سے زیادہ کسی بات سے سروکار نہیں ہوتا کہ اسے پیاس لگی تھی جسے اس نے ایک گلاس پانی پی کر تسکین دیدی، لیکن یہ پانی حلق سے اتر کر کہاں جارہا ہے؟ اور اس کے جسم کی کیا کیا خدمات انجام دے رہا ہے؟ اس کی طرف عام طور سے کسی

کا دھیان بھی نہیں جاتا، ذرا غور سے کام لیں تو در حقیقت ہماری جسمانی مشینری کے ایک ایک پرزے کو پانی کی ضرورت تھی جس کے بغیر یہ مشینری کام نہیں کر سکتی تھی، لیکن چونکہ عام انسان یہ بھی پتہ نہیں لگا سکتا کہ اس کے جسم میں کب پانی کی مطلوبہ مقدار کم ہو گئی ہے، اس لئے قدرتِ خداوندی نے اسے پیاس کی شکل میں ایک عام فہم میٹر عطا کر دیا ہے، جو ہر عالم اور جاہل، شہری اور دیہاتی، یہاں تک کہ ناسمجھ بچّے کو بھی خود بخود یہ بتا دیتا ہے کہ اُسے پانی کی ضرورت ہے، وہ اُسے صرف اپنے ہونٹ اور حلق کی ضرورت سمجھتا ہے، اور انہی دو چیزوں کو تر کر کے مطمئن ہو جاتا ہے کہ پیاس بجھ گئی، لیکن در حقیقت پانی کا اصل فائدہ اس سے کہیں آگے ہے، وہ صرف ہونٹ اور حلق کی نہیں پورے جسم کی مانگ تھی، اور وہ حلق سے گذر کر جسم کے ہر اس حصے کو سیراب کرتا ہے جسے اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لئے اسکی ضرورت تھی، اور اس طرح جسم کی اندرونی پائپ لائن کے ذریعے وہ پانی سَر سے لیکر پاؤں تک ضرورت کی تمام جگہوں تک پہنچایا جاتا ہے، پھر جتنے پانی کی جسم کو ضرورت ہوتی ہے، اُتنا جسم میں باقی رہتا ہے، اور باقی حصہ جسم کی دھلائی کرنے کے بعد اپنے ساتھ مضر اجزا کو بہا کر دوبارہ جسم سے باہر نکل جاتا ہے۔

مشہور ہے کہ ہارون رشید ایک مرتبہ پانی پینے کے لئے گلاس ہاتھ میں لئے ہوئے تھے وہ اس گلاس کو ہونٹوں تک لیجانے لگے تو قریب ہی بیٹھے ہوئے بہلول مجذوبؒ نے ان سے کہا کہ امیر المؤمنین! ذرا ایک لمحے کے لئے رک جایئے، ہارون رشید رک گئے تو بہلول نے کہا: ”ذرا بتایئے کہ اگر شدید پیاس کے وقت آپ کو یہ پانی نہ ملے تو آپ اسے حاصل کرنے کے لئے کتنی دولت خرچ کر دینگے؟“ ہارون رشید نے کہا کہ „ساری دولت„، بہلول نے کہا اب پی لیجئے، جب وہ پی کر فارغ ہوئے تو بہلول نے پھر پوچھا کہ „امیر المؤمنین! ذرا یہ بھی بتا دیجئے کہ جتنا پانی آپ دن بھر میں پیتے ہیں اگر وہ سارے کا

سارا جسم کے اندر ہی رہ جائے اور باہر نہ نکل سکے تو اُسے باہر نکالنے کیلئے آپ کتنی دولت خرچ کردینگے؟،، ہارون نے پھر کہا کہ ،،ساری دولت،، اس پر بہلول نے کہا کہ ،،آپ کی ساری دولت ایک گلاس پانی کو جسم میں داخل کرنے اور اسے باہر نکالنے کی قیمت بھی نہیں ہے،،۔

کہنے کو یہ ایک لطیفہ ہے لیکن واقعۃً یہ ایک ایسی سامنے کی حقیقت ہے جو بدیہی ہونے کے باوجود نظروں سے اوجھل رہتی ہے۔

> اسی طرح روٹی کے اس نوالے کو دیکھ لیجئے جو ہم ایک لمحے میں حلق سے اتار لیتے ہیں، ایک ظاہر بیں نگاہ صرف اس حد تک جاتی ہے کہ ہم نے اپنے کمائے ہوئے پیسوں سے بازار سے آٹا خریدا، اور اس سے روٹی تیار کرلی، لیکن بازار تک اُس آٹے کو پہنچانے کے لئے کائنات کی کتنی طاقتیں سرگرم عمل رہیں؟ اس کی طرف عموماً نگاہ نہیں جاتی، انسان کا کام اتنا ہی تو تھا کہ وہ زمین میں ہل چلا کر اس میں بیج ڈال دے، لیکن کون ہے جس نے اس چھوٹے سے بیج میں ایسا پروسسنگ پلانٹ لگایا کہ اس میں سے کونپل پھوٹ نکلی؟ کون ہے جس نے مٹی کی دبیز تہوں میں اس کونپل کی پرورش کی اور اُسے یہ قوت عطا کی کہ وہ اپنے منحنی جسم کی لچکدار نوک سے زمین کا پیٹ پھاڑ کر نمودار ہو، اور ایک لہلہاتی ہوئی کھیتی میں تبدیل ہو جائے؟ پھر کون ہے جس نے اس پر چاند سورج کی کرنیں بکھیریں؟ اُسے لہراتی ہوئی ہواؤں کا گہوارہ فراہم کیا؟ اُس پر بادلوں کا شامیانہ تان کر اسکو جھلسنے سے بچایا، اور اس پر رحمت کا مینہ برسا کر اسکی نشو ونما کی رفتار تیز کردی، یہاں تک کہ ایک ایک کھیت میں سینکڑوں خوشے

اور ایک ایک خوشے میں سینکڑوں دانے وجود میں آگئے؟ قرآن کریم اسی حقیقت کو یاد دلاتے ہوئے کہتا ہے:

﴿اَفَرَاَیْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَ ☆ اَ اَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ﴾

ذرا بتاؤ تو سہی کہ جو کچھ تم زمین کو گاہ کر اس میں ڈال دیتے ہو؟ کیا تم اسے اگاتے ہو یا ہم ہیں اگانے والے؟

(سورۂ واقعہ آیت: ۶۳، ۶۴)

لہذا جب آنحضرت ﷺ یہ فرماتے ہیں کہ کھانا کھانے سے پہلے ,,بسم اللہ،، کہو تو اس کا مقصد اسی حقیقت کی طرف توجہ دلانا ہے کہ اس نوالے کا حصول صرف تمہاری قوتِ بازو کا کرشمہ نہیں، بلکہ یہ اُس دینے والے کی دین ہے جس نے اُسے تم تک پہنچانے کے لئے کائنات کی عظیم طاقتوں کو تمہارے لئے رام کر دیا، لہذا اس نوالے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اُس دینے والے کو فراموش نہ کرو، یوں تو اللہ تعالی کی یہ عطا اسکی ہر مخلوق کے لئے عام ہے، کھانا اور پانی جانوروں کو بھی ملتا ہے، لیکن جس انسان کو اللہ تعالی نے عقل و شعور بخشا ہے، اس میں اور بے شعور جانور میں اتنا فرق تو ہونا چاہئے کہ یہ باشعور مخلوق ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے وقت غفلت کا مظاہرہ کرنے کے بجائے اپنے محسنِ حقیقی کو یاد کر لیا کرے ؎

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند
تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری

یہ دو تو سادہ سی مثالیں تھیں، لیکن زندگی کے جس کسی کام کو لیجئے، غور کرنے سے ہر جگہ صورتِ حال یہی ملے گی، انسانی محنت اور ظاہری اسباب کا عمل بہت چھوٹے سے دائرے تک محدود ہے، اس محدود دائرے کے پیچھے جھانک کر دیکھئے تو دنیا کا ہر چھوٹے

سے چھوٹا واقعہ ایک ایسے نظامِ ربوبیت کے ساتھ بندھا ہوا ہے جس کی حکمتیں لا محدود ہیں، اور جس میں انسان کی محنت کوشش، وسائل اور منصوبہ بندی کا کوئی دخل نہیں ہے، لیکن عام طور سے انسان کی محدود نگاہ ظاہری اسباب کی تنگنائے سے آگے نہیں بڑھتی، اور وہ شب وروز اسی تنگنائے کے خم وپیچ میں الجھا رہتا ہے، انبیاء کرام (علیہم السلام) اسی لئے دنیا میں تشریف لاتے ہیں کہ وہ انسان کو اس تنگ نظری سے نجات دلا کر اسکی نگاہ کو وسعت اور سوچ کو گہرائی عطا کریں۔

آنحضرت ﷺ نے ہر کام کو اللہ کے نام سے شروع کرنے کی تعلیم دے کر زندگی کے ہر شعبے میں انسان کا رشتہ اپنے مالک سے جوڑنے کی کوشش فرمائی ہے، کیونکہ جب انسان اپنے ہر کام کو بالآخر اللہ تعالیٰ کی مشیّت و تخلیق کے تابع قرار دیتا ہے، اور بار بار اس حقیقت کا اعتراف کر کے اپنی عاجزی ودرماندگی کا اعلان کرتا ہے تو رفتہ رفتہ اس کے دل میں یہ شعور جڑ پکڑ لیتا ہے کہ وہ اس دنیا میں خالق ومالک بن کر نہیں بلکہ مخلوق اور اپنے مالک کا بندہ بن کر آیا ہے۔ یہ احساسِ بندگی اس کے دل میں تواضع، عاجزی، ہمدردی اور غمگساری پیدا کرتا ہے، اور فرعونیت، تکبّر اور رعونت کے رذیل جذبات سے اسکی حفاظت کرتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ اس دنیا میں جبر واستبداد اور ظلم وستم کے واقعات اسی وقت وجود میں آتے ہیں جب انسان اپنی حقیقت کو فراموش کر کے اپنے خالق سے رشتہ توڑ لیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو خالص اپنی قوتِ بازو کا کرشمہ قرار دے کر اپنے آپ ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھتا ہے، لیکن جو شخص قدم قدم پر اللہ کا نام لے کر یہ اعتراف کر رہا ہو کہ میرا ہر کام میرے مالک وخالق کا مرہونِ منت ہے اُس کے دل پر غرور وتکبّر کی سیاہی کا کوئی دھبّہ نہیں پڑتا، اور وہ دوسری مخلوقِ خدا کے ساتھ بھی کبھی ظلم وتشدّد کا روادار نہیں ہو سکتا۔

,,بسم اللہ،، یا ,,شروع اللہ کے نام سے،، بظاہر مختصر سے لفظ ہیں، لیکن ان کے پیچھے حقائق و معارف کی ایک کائنات پوشیدہ ہے، اور آنحضرت ﷺ نے ہر کام کے شروع میں یہ الفاظ کہلوا کر انسان کو ایسا انسان بننے کی طرف متوجہ کیا ہے جو فرعون و نمرود نہیں، بلکہ اللہ کا بندہ بن کر دنیا میں امن سے رہنا چاہتا ہو، اور اس طرح انسان کے ہر کام کو عبادت اور بندگی میں تبدیل کیا۔

۱۰/ شعبان ۱۴۱۴ھ

۲۳/ جنوری ۱۹۹۴ء